تمام خلفاء کے الگ الگ رنگ

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲؍ جولائی ۱۹۸۲ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات قرآنیہ پڑھیں:

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ﴿۸۴﴾ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۵﴾ (بنی اسرائیل: ۸۴، ۸۵)

پھر فرمایا:

یہ آیات کریمہ جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں ان میں اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ جب بھی ہم انسان پر انعام فرماتے ہیں تو اس کی بدقسمتی دیکھو، اس کی محرومی ملاحظہ کرو کہ وہ ہمیشہ اجتناب کرتا ہے۔ اعراض کرتا ہے، منہ پھیر لیتا ہے اور اس کی کوشش یہی رہتی ہے کہ مجھ تک میرے رب کا انعام نہ پہنچے۔ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جب اس کے نتیجے میں اسے شدید مشکلات گھیر لیتی ہیں اور مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ تو پھر وہ مایوس ہو جاتا ہے۔ تو کہہ دے کہ ہر شخص اپنی شاکلة کے مطابق عمل کیا کرتا ہے۔ اس کے مزاج، اس کے اخلاق، اس کی طرز فکر، اس کے طرز عمل کا ایک سانچہ ہے۔ اس کا ہر عمل اس سانچے میں ڈھلتا ہے اور اس کے مطابق اس سے اعمال ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ تو ان سے کہہ دے کہ تیرا رب ہی بہتر جانتا ہے کہ کس کا طرز عمل ہدایت کے زیادہ قریب ہے۔

جہاں تک دنیوی انعامات کا تعلق ہے انسان تو بہت حریص واقع ہوا ہے اور یہ ممکن نہیں کہ اس پر کوئی کرم کیا جائے، کوئی احسان کیا جائے تو وہ منہ پھیر کر بھاگے، یہاں کسی ایسے انعام کا ذکر ہے جس سے ہمیشہ انسان اپنی بدقسمتی میں محروم رہنے کی کوشش کرتا ہے اور وہ نبوت ہی کا انعام ہے پس معلوم ہوا کہ یہاں سب سے بڑے انعام کا ذکر چل رہا ہے یعنی حضرت محمد مصطفیٰ رسول اکرم ﷺ کی بعثت کا ذکر ہے۔ اور تاریخ انسانی کا خلاصہ یہ پیش کیا گیا ہے کہ یہ بدقسمت یہ محروم جو اس عظیم الشان نعمت سے منہ موڑ کر اور پیٹھ پھیر کر بھاگ رہے ہیں ان کے مقدر میں تو شروع سے یہی لکھا ہے، یہی ان کا سلوک ہوتا رہا ہے ہر نعمت سے۔ اس لئے اب اگر اس نعمت سے بھی یہ محروم رہ جائیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ لیکن جس طرح ہمیشہ یہی ہوتا آیا ہے کہ نعمت سے محرومی کے بعد انسان طرح طرح کی مصیبتوں اور مشکلات کا شکار ہو جاتا ہے۔ پس حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے منکرین بھی ایسی ہی مصیبتوں اور مشکلات کا شکار ہونے والے ہیں۔ اور زمانہ اس انکار کے نتیجے میں لازماً ہلاکت کی طرف جائے گا اور کوئی چیز اس کو بچا نہیں سکے گی۔ اور وہ ہلاکت اتنی خطرناک ہوگی کہ یہی منکرین اپنی آنکھوں کے سامنے اس ہلاکت کو دیکھیں گے اور ان کے دل گواہی دیں گے کہ اس سے بچنے کے لئے کوئی جگہ نہیں کَانَ یَئُوْسًا۔ وہ کلیۃً اپنی نجات سے مایوس ہو جائیں گے۔

فرمایا ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے انسان کو؟ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے کہ دیکھو! ہم نے انعام نبوت کے ساتھ ہی دو قسم کے طرز عمل پیدا کر دیئے۔ ایک انعام پانے والوں کا طرز عمل ہے اور ایک انکار کرنے والوں کا طرز عمل۔ جہاں تک مومنین کا تعلق ہے ان کے لئے انعام پانے والے لوگوں کا طرز عمل ہے یعنی سنت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ۔ اس سنت سے سرِ مُو بھی تم نے انحراف نہیں کرنا۔ انکار کرنے والے ہمیشہ کی طرح انعام پانے والوں کو دکھ دیں گے۔ طرح طرح کی مصیبتیں ان پر وارد کرنے کی کوشش کریں گے۔ ہر طرح ان کی مخالفت کریں گے، ان کے دل دکھائیں گے، ان کو ہر قسم کے عذابوں میں مبتلا کرنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن تم نے اس طرز عمل سے سرِ مُو بھی انحراف نہیں کرنا جو تمہاری شاکلۃ اسوۂ محمد ﷺ کے مطابق خدا تعالیٰ نے ڈھال دی ہے۔ وہی ایک طرز عمل ہے جو تمہارے لئے مقدر ہے۔ اس سے ہٹنا بدنصیبوں کا کام ہے، خوش نصیبوں کا کام نہیں۔ کیونکہ جو ہٹنے والے ہیں ان کے انجام کی پہلے ہی خبر دیدی۔

تو فرمایا کُلٌّ یَّعۡمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ ؕ فَرَبُّکُمۡ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ہُوَ اَہۡدٰی سَبِیۡلًا ﴿۸۵﴾ کہ یہ بات تو تقدیر الٰہی ہی ظاہر فرمائے گی کہ وہ کون ہیں جو نجات پانے والے اور ہدایت پانے والے ہیں۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے پیروکار اور آپؐ کی سنت پر عمل کرنے والے یا اس سنت سے ہٹ کر مخالفانہ اور معاندانہ سلوک کرنے والے۔

پس جماعت احمدیہ کیلئے اس میں بہت سبق ہے۔ ہر قسم کے دکھ اور مشکلات اور مصیبتوں اور عناد اور گالیوں اور تکلیفوں کے مقابلے میں آپ کیلئے صبر اور رضا اور دعائیں کرنا اور اپنے دشمنوں کی بھلائی چاہنا، دکھ دینے والوں کے لئے دکھ محسوس کرنا، غصے کا کوئی سوال نہیں ہمیشہ دل میں رحمت کے جذبات کو پرورش دینا اور رحیمانہ سلوک کرنا، یہ ہے ہمارے مقدر کی بات۔ اور ہمیں دعا کرنی چاہئے کہ اس سے ہٹنا ہمیں نصیب نہ ہو۔ اور ہم میں سے کمزور سے کمزور انسان کے بھی پائے ثبات میں لغزش نہ آئے اور وہ اس فلاح کے یقینی راستے پر ثبات قدم کے ساتھ قائم رہے اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسی راستے پر قائم و دائم رکھے۔ آمین

دنیا میں بعض چیزوں کو مثالوں کی صورت میں واضح کیا جاتا ہے۔ اس طریق کار کو بھی ہماری زبان میں ایک مثال اور ایک کہاوت کی شکل میں بیان کیا گیا ہے۔ لوگوں کو سمجھانے کی خاطر میں وہ مثال ان کے سامنے رکھتا ہوں۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک گائے دریا پار کر رہی تھی تو ایک بچھو ڈوب رہا تھا۔ اس نے اپنی دم کے ذریعے اس کو اٹھا کر اپنی پیٹھ پر بٹھا لیا۔ جب وہ، دوسرے کنارے پہنچی تو پیشتر اس کے کہ بچھو اتر کر خشکی کی راہ لیتا اس نے اسے ڈنک مارا۔ کہانی میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک خرگوش ساحل پر بیٹھا یہ نظارہ دیکھ رہا تھا۔ اس نے گائے سے کہا تم بڑی بیوقوف ہو۔ ایسے ظالم، ایسے موذی کو نجات دی اور جانتی نہیں تھی کہ یہ تم سے ظلم کا سلوک کرے گا، نیکی کا بدلہ برائی سے دے گا۔ تو گائے نے جواب دیا کہ بھائی میں بیوقوف نہیں ہوں۔ میرے رب نے مجھے ایسا ہی بنایا ہے اور اس سے میں انحراف نہیں کر سکتی۔ میری فطرت خدا تعالیٰ نے اس طرح بنائی ہے کہ میں دودھ پلاتی ہوں تم لوگوں کو اور پھر تم لوگ میرا گوشت بھی کھاتے ہو۔ مجھ سے ہر قسم کے فائدے اٹھاتے ہو۔ ہل میں جوتی جاتی ہوں اور جب کسی کام کی نہیں رہتی تو پھر تم مجھے ذبح کر دیتے ہو، قصائی کے سپرد کر دیتے ہو۔ تو میرا تو مقدر ہی یہ ہے کہ تم لوگوں کی بھلائی کی خاطر پیدا کی گئی ہوں۔ اس بدقسمت کا مقدر یہ ہے کہ یہ

برائی کی خاطر پیدا کیا گیا ہے۔

توشَاکِلَة کی اس سے بہتر کوئی مثال نہیں دی جاسکتی ۔ یہ مثال تو ایک ادنیٰ مثال ہے لیکن اس کے پیچھے جو روح کارفرما ہے وہ بہت عظیم ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ساری سیرت میں ہمیشہ یہی روح کارفرما رہی۔ آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ دشمنوں سے دکھ اٹھائے اور جانتے ہوئے کہ یہ پھر بھی دکھ دینے والے ہیں ان سے احسان اور کرم اور رحم کا سلوک فرمایا۔ اور یہ ایک لمبی داستان ہے اس وقت اس کے بیان کا موقع نہیں ۔ گرمی کی شدت ہے۔ رمضان شریف کا بھی تقاضا یہی ہے۔ صرف یہ اشارہ کافی ہے کہ احمدیوں کیلئے صرف ایک نمونہ ہے، ایک شاکلة ہے، ایک ہی قالب ہے، ایک ہی سانچہ ہے جس میں ہم نے ڈھلنا ہے اور ہمیشہ ان دیواروں کی اس چاردیواری کی حفاظت کرنی ہے اور اس سے باہر سرِ مُو بھی قدم نہیں رکھنا۔

دوسرا پہلو شَاکِلَة کا انفرادی ہے۔ اس عمومی سنت محمد مصطفیٰ ﷺ کے دائرے میں رہتے ہوئے بھی ہر انسان کی ایک انفرادیت ہوتی ہے۔ ابوبکرؓ بھی سنت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ہی چلنے والے تھے لیکن ان کا ایک اپنا رنگ تھا۔ عمرؓ بھی تو سنت محمد مصطفیٰ ؐ پر ہی چلنے والے تھے لیکن ان کا ایک اور رنگ تھا۔ عثمانؓ بھی سنت محمد مصطفیٰ ؐ ہی کے عاشق تھے لیکن ان کا بھی ایک اپنا رنگ تھا اور علیؓ بھی محمد مصطفیٰ ؐ ہی کے غلام تھے لیکن ان کا بھی ایک الگ رنگ تھا۔ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ وہ اپنی انفرادیت کی وجہ سے مجبور تھے کہ سنت کا جو تصور ان کے دل میں تھا اور ان کا ذاتی قالب سنت کو جس صورت میں قبول کررہا تھا اسی طرح اس رنگ کو اپنے اندر اختیار کریں اور اسی طرز کو اختیار کریں جو اللہ تعالیٰ نے ان کی شاکلة کے اندر رکھ دی تھی۔ تو ایک ہوتے ہوئے بھی یعنی سنت محمد مصطفیٰ ؐ کے ایک ہی رنگ میں رنگین ہونے کے باوجود ہر ایک کا الگ الگ رنگ بھی تھا جیسا کہ کہا گیا ہے۔

ؔ ہے رنگ لالہ و گل و نسریں جدا جدا
ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہئے (دیوان غالبؔ)

تو محمد مصطفیٰ ﷺ کے عشاق نے ہر رنگ میں بہار کا اثبات کیا۔ اور ویسے بھی یہ ناممکن تھا کہ آنحضور ﷺ کی سیرت کا بحر ذخّار کسی ایک وجود میں اکٹھا ہو جاتا۔ اتنا ہی بڑا ظرف بھی تو ہونا چاہئے تھا۔ اس لئے اپنی اپنی توفیق، اپنی اپنی حیثیت، اپنی اپنی شاکلة کے مطابق، لوگوں نے

آپؐ کے عشاق نے محمد مصطفیٰ ﷺ کے رنگ پکڑے۔

جو لوگ اس فرق کو ملحوظ نہیں رکھتے وہ بعض دفعہ نادانی میں خلفاء کا ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ شروع کر دیتے ہیں۔ اور ہمیشہ یہ چلتا آیا ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت عمرؓ کی زندگی میں ان کے ساتھ بعض نادانوں نے مقابلے کئے کہ جی وہ تو یوں کیا کرتے تھے، وہ تو یہ ہوتا تھا۔ آپ یہ کرتے ہیں اور آپ یوں کرتے ہیں۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ کے دور میں حضرت عمرؓ سے مقابلے شروع ہو گئے اور حضرت علیؓ کے دور میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مقابلے شروع ہو گئے (رضوان اللّٰہ علیھم)۔ اور لوگ نادانی میں یہ نہیں سمجھتے کہ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ۭ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ؀۸۵ تم لوگ تو نادان ہو۔ تم ناواقف ہو۔ جاہل ہو۔ تمہیں کچھ پتہ نہیں کہ کس کا عمل کیوں ہے؟ اور طرز عمل کس لئے اختیار کیا جا رہا ہے؟ یہ بندے ہیں، مجبور ہیں اس فطرت کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی۔ یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ انہوں نے اپنی شَاكِلَة کے اندر رہتے ہوئے صحیح قدم اٹھایا یا غلط قدم اٹھایا، بندہ واقف ہی نہیں ان اسرار سے۔ وہ دل کے حالات کو، نیتوں کو نہیں جانتا۔ اس لئے اس کا کام نہیں ہے کہ وہاں زبان کھولے جہاں زبان کھولنے کی اس کو مجال نہیں، جہاں زبان کھولنے کے لئے اس کو مقرر نہیں کیا گیا۔ اس لئے میں جماعت احمدیہ کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ ایسی لغو دلچسپیوں سے باز رہیں۔

کسی کے کہنے سے کسی خلیفہ کے مقام میں، اس کے منصب میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ جو فرق پڑے گا اور پڑتا ہے وہ صرف اللہ کی نظر میں ہے اور وہی بہتر جانتا ہے کہ کسی نے اپنی استعداد کے مطابق پورا استفادہ کیا کہ نہیں۔ بعض دفعہ استعدادوں کے مختلف ہونے کے نتیجے میں مختلف طرز عمل رونما ہوتے ہیں اور اس کے باوجود بظاہر ایک کم نتیجے کو ایک بظاہر زیادہ نتیجے پر فوقیت دی جاتی ہے۔ مثلاً ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے استعداد عطا فرمائی ہے کہ وہ دنیا کا بہترین دوڑنے والا بن جائے اور وہ استعدادوں کو ضائع کر دیتا ہے۔ وہ بہترین تو نہیں بنتا لیکن اپنے ملک کا بہترین کھلاڑی بن جاتا ہے۔ اور ایک انسان کو زیادہ سے زیادہ یہ استطاعت ہے کہ وہ اپنے ضلع کے اندر اول آئے اور ضلع کے اندر سب سے تیز دوڑنے والا شمار ہو اور وہ ساری طاقتیں استعمال کر کے اپنے ضلع میں اول آ جاتا ہے۔

تو انسان کو کیا پتہ کہ کس کی استعداد کیا تھی اور کون خدا کی نظر میں اپنی استعدادوں کو کمال تک پہنچا کر ان کے نقطۂ منتہا تک پہنچ گیا ہے۔ یہ ایک چھوٹی سی مثال میں نے اس لئے دی ہے کہ اپنی لاعلمی اور جاہلیت کو سمجھنا چاہئے اور یہی تقاضا ہے انکساری کا اور اپنے مقام بندگی کو سمجھنے کا کہ انسان ان معاملات میں دخل نہ دے جو اللہ کے معاملات ہیں۔ اور اللہ کے معاملات کو اللہ پر رہنے دے۔ بندے کا کام یہ ہے کہ استغفار سے کام لے، دعائیں کرے اور دعاؤں کے ذریعے من حیث الجماعت، ساری جماعت اپنے وقت کے خلیفہ کی کمزوریوں سے پردہ پوشی کی دعا کرے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے اور جتنی بھی استطاعت اس نے بخشی ہے استطاعت کے بہترین استعمال کا موقع اس کو عطا فرمائے تاکہ اس کی رضا کی نظر پڑے اس پر اور اگر آپ کے خلیفہ پر آپ کے اللہ کی رضا کی نظر پڑے گی تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ساری جماعت پر اللہ کی رضا اور محبت اور پیار کی نظریں پڑیں گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خطبہ ثانیہ کے بعد حضور نے فرمایا:

احباب صفیں درست کر لیں۔ اور یاد رکھیں کہ آنحضرت ﷺ کے دو احکامات کو ہمیشہ ملحوظ رکھا کریں۔ ایک صفیں سیدھی ہوں اور دوسرے بیچ میں خلا نہ ہو۔ گرمی کا تقاضا تو یہی ہے کہ کھلا کھلا کھڑے ہوں۔ لیکن دین کا تقاضا یہ ہے کہ اکٹھے مل کر کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہوں۔ پس جب آپ نے عہد کیا ہے کہ میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا، تو ان چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی آزمائش ہوتی ہے۔ ہر مقام پر چھوٹی ہو یا بڑی، دین کو ہمیشہ دنیا پر مقدم رکھیں۔ کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہوں، صفوں میں خلا نہ ہو اور صفیں سیدھی ہوں۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۴؍ جولائی ۱۹۸۲ء)